Date of Publication : 02-09-2015 — PRICE Rs. 3/-

POSTED AT N.D.P.S.O, New Delhi-01
ON 03-04 Sep. 2015, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2015-17
Licensed to Post Without PrepaymentU (C) 160/2015-17

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

8-14 September 2015 — ۸تا۱۴ستمبر ۲۰۱۵ء

Issue: 34, Vol.: 74 — شمارہ نمبر:۳۴، جلد نمبر:۷۴

بریلی کی چار ہمشیر شاعرات

سید لطیف حسین ادیب

الہ آباد کے ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن کے دفتر میں شیخ عبدالاحد آفس سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ان کے چار بیٹیاں تھیں: (1) آمنہ خاتون عفت (1903 تا 1968)، (2) سپہر آرا پنہاں (7 اگست 1906 تا 1974)، (3) بلقیس جمال عالم (1909 تا 1982)، (4) حسن آرا بیگم غزالہ (1916 تاریخ وفات نامعلوم)۔ شیخ عبدالاحد نے ان لڑکیوں کو کسی مدرسے یا کالج میں حصول تعلیم کے لیے نہیں بھیجا۔ چاروں لڑکیاں پردہ نشیں اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ ان کی تعلیم کی ذمہ داری خود عبدالاحد نے سنبھالی۔ اردو، انگریزی اور فارسی کا درس دیا اور ان کو اس قابل کر دیا کہ وہ اردو میں شعر گوئی، افسانہ نگاری کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہنے پر قادر ہو گئیں۔ شاعری کے ابتدائی

گزرے وقت کے حالات سے ناواقف معلوم ہوئے۔ مکان کی خارجی وضع میں کہنگی کے آثار کی جھلک ضرور نظر آئی۔ اب لڑکیوں کا اجمالی تعارف مندرجہ ذیل ہے:

آمنہ خاتون عفت:

ان کی شادی جناب ناظر حسین وکیل وسپیشل کمشنر مظفر نگر سے 1940 میں ہوئی تھی۔ وہ قومی اور ملی کاموں میں حصہ لیتی تھیں۔ ان کا افسانوں کا مجموعہ 'گوہر عفت' شائع ہو چکا ہے۔ طبیعت مائل بہ فکر تھی۔ ایک غزل بطور نمونہ کلام مندرجہ ذیل ہے:

صلا پائے کی آہ نارسا کیا
بلے گا پردۂ عرش علا کیا
میں ہر ذرہ میں تجھ کو پا رہا ہوں
مجھے دیر و حرم سے واسطا کیا

دور میں ان لڑکیوں نے طالب الہ آبادی (مولوی شاہ فدا علی الہ آبادی، متوفی 1944) سے مشورۂ سخن کیا۔ اندرون خانہ اپنی بڑی بہنوں سے استفادہ کیا۔ مولوی شیخ عبدالاحد کا 1925 میں انتقال ہو گیا۔ اس سانحے کے بعد چاروں لڑکیاں اپنے ددھیالی تعلق سے بریلی آ گئیں اور محلہ شاہ آباد (شمالی) بریلی کے گھیر عبدالقیوم خاں میں رہائش اختیار کی۔ موقعے کی تفتیش کے دوران معلوم ہوا کہ گھیر عبدالقیوم خان کسی تحصیلدار کے نام سے منسوب ہے۔ وہاں ایک پرانی قبر بھی ہے جو ممکن ہے عبدالقیوم خاں کی ہو۔ اسی گھیر میں پرنسپل عبدالشکور (م 8 مارچ 1970) کا خاندان آباد تھا۔ اسی گھیر میں مولانا منظور نعمانی سنبھلی (م 4 مئی 1997) کا دفتر 'الفرقان' تھا۔ اُن کا ماہنامہ 'الفرقان' وہیں سے شائع ہوتا تھا۔ اسی گھیر کے دہانے پر داہنی جانب لب سڑک مکان میں مولوی عبدالاحد کی دختران رہتی تھیں۔ دوران تفتیش موجودہ مکین

جو غنچے سے جدا جو گل الگ تھا
یہ ہے نیرنگیوں کی انتہا کیا
جھلک ان کی کہیں دیکھی تھی دل نے
اُسی دن سے نہ جانے ہو گیا کیا
جبل اور دشت اک جلوانے پھونکے
کرے چشم طلب پھر حوصلا کیا
سرے امال نے کشتی ڈبو دی
شکایت ہائے دست ناخدا کیا
ہر اک آنسو ہے روح عشق عفت
ذر و گوہر سے اس کو واسطا کیا

(شاعرات اردو، ص 502، وفیات مشاہیر اردو، ص 448، تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ، ص 316)

سپہر آرا خاتون المخاطب بہ

رابعہ بریلوی المتخلص بہ پنہاں:

ان کی پیدائش ضلع سہارنپور یوپی میں ہوئی تھی۔ آپ کی پرورش اور تعلیم اپنے والد کی نگرانی میں ہوئی۔ فارسی زبان وادب سے زیادہ دل چسپی تھی۔ شاعری کی ابتدا 1921 سے ہوئی۔ طالب الہ آبادی سے مشورۂ سخن کیا۔ والد صاحب کی وفات کے بعد بریلی آ گئیں۔ جنوری 1928 میں آپ کی شادی صوفی صغیر حسین پرنسپل اسلامیہ کالج الہ آباد سے ہوئی۔ 1929 میں ایک مجموعۂ منظومات 'اشک خونیں' شائع کرایا جو فی الوقت نایاب ہے۔ اُن کی شاعری اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ ان کی اردو شاعری غزلیات اور نظمیات پر مشتمل ہے۔ فارسی شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔ اُن کے اشعار غزل میں زبان کی سادگی و برجستگی پر اُن کی پاکیزہ نسائیت کا آنچل سایہ کیے ہوئے ہے۔ کلام اردو، غزلیات کا نمونہ:

پیچ و تاب زلف پیچاں عم بہ عم
کون کہتا ہے جنوں ناکام ہے
کارواں کیا نزد منزل آ گیا
آستاں پر کیوں ہجوم عام ہے
شیشۂ مینا میں پنہاں برق ہے
حسن پُرفن آج زیر دام ہے

نیاز و ناز نامقبول دونوں
نہ سمجھی میں کہ ہے تیری رضا کیا
جبین حسن پر سرخی سی دوڑی
نگاہ آرزو نے کر دیا کیا
نہ جانے کیا سمجھ کر غش پڑے ہیں
یہ ہے تمہید ذوق انتہا کیا
نہ ہونا بھی بقدر یک نفس ہے
ہماری ابتدا کیا انتہا کیا
جفا و ناز کی خوگر ہوں پنہاں
خدا معلوم ہے رسم وفا کیا

ہے اک طرف ہوں شکل خزاں پائمال یاس
اک سمت وہ بہار کا جلوا لیے ہوئے
عشق جنوں نواز چلا بزم ناز میں
اک اضطراب وشوق کی دنیا لیے ہوئے

نظمیات کا نمونہ، والد کی وفات پر:

ہاں پدر کا غم یتیم مضطرب کے دل سے پوچھ
حسرت منزل کسی گم کردہ منزل سے پوچھ
وہ دن کہاں ہیں یاد ہے جب ہم بھی شادماں تھے
جب ہم نوا ہمارے یہ فرش و آسماں تھے

رنگینی عدن سے معمور تھا گلستاں
جنت فروش گل تھے اشجار گل فشاں تھے
تھیں عنبریں فضائیں مخمور تھی فضائیں
قطرات ابر رحمت سبزے پہ زرفشاں تھے

الہ آباد کی یاد میں ایک طویل نظم کا انتخاب:

اے الہ آباد اے بیت السکون دار الاماں
زینت گردوں گرامی رونق حسن جہاں
اے کہ تیرا نام تھا سرمایۂ صد آرزو
ذات تیری گوہر امید کی تھی آبرو
یاد تجھ کو بھی کبھی آیا ہے اے رنگیں ادا
سرفروشان رہ الفت کا انداز وفا
ہے کسی کے سر میں الفت کا جنوں اب تک وہی
ہے دلوں میں آج تک شمع وفا کی روشنی
دور گردوں نے چھڑایا اف تری آغوش سے
دور پھینکا مجھ کو تجھ سے گردش ایام نے
شکل تیری کاش پھر اک بار آجائے نظر
یہ تجلی دیدۂ بیتاب کو کر دے قمر

'ہلال رمضان' کے چند اشعار کا انتخاب:

مژدہ باد اے مومنان تشنہ کام
جلوہ افگن ہو گیا ماہ صیام
نوبہار گلشن اسلام ہے
یا خدا کا بہترین انعام ہے
متصل کرتا ہے تو معبود سے
روح ساجد کو در مسجود سے
ہیں پیام لطف یہ لیل و نہار
شان رحمت ہر طرف ہے آشکار
مومنوں کو اے خدا توفیق دے
وہ بجا لائیں ترے احکام کو

نظم 'شب ماہ' کے چند اشعار کا انتخاب:

حسن کی شفاف لہریں مصدر ہر خامشی
اک سکوت مستقل برسا رہی ہے روشنی
ہے ردائے نور میں ملفوف عالم کا ثبات
ایک سنجیدہ سکوں میں غرق بزم شش جہات
ہے تجلی ریز جس سے شبنمی تاروں کا نور
رنگوں جہاں پہ زیبا نکھری ہوئی روشن سطور
ڈھونڈتی ہے روح راہ ارتقائے زندگی
چاہتا ہے دل کہ حاصل ہو حقیقی تازگی
قلب کی گہرائیوں سے یہ نکلتی ہے دعا
روح کی وارفتگی کو مطلقاً کردے خدا
تابش عرفاں دل تاریک پہ ہو جلوہ گر
قلب پنہاں میں ہو تو افگن جمال منتظر
مست کردے روح کو سکر خمار معرفت
چشم دل ہو محو دیدار نگار معرفت

ان منظومات کے انتخاب کو 80 برس سے زیادہ مدت کے تناظر میں دیکھنا مناسب ہوگا۔ 'افق خونیں' کی اشاعت 1928 میں ہوئی تھی۔ بعض منظومات 1928 سے قبل کی بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ منظومات واقعاتی ہیں۔ ادائیگی میں تخیل طرازی ہے جس سے قادر الکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ شاعرہ کے جذبات کا بھی علم ہوتا ہے۔ وہ دل تاریک پہ تابش عرفاں کی منتظر تھیں۔ یہ اوصاف قابل قدر ہیں۔

پنہاں کے فارسی کلام کی تلاش میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ ایک غزل جو انھوں نے حضرت امیر خسرو (م 1325) کی غزل کی زمین میں قلم بند کی تھی اس کے دستیاب چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

بہ تلاش زینت دل بود شب جائے کہ من بودم
بہ چشم و ہر ساحل بود شب جائے کہ من بودم
زتغافل چشم ابروئے کہ شوخ گماں سازے
دل من بہ نیم بسمل بود شب جائے کہ من بودم
نگاہم بہ تجلائے رخ آئینہ رخسارے
سرم بر پائے قاتل بود شب جائے کہ من بودم
بہ جنونی اے ہو کامل طریق عشق و الفت را
سرکوئے منزل بود شب جائے کہ من بودم
تم زلف نگار کرد پنہاں طرفہ انداز ے
نیام در سلاسل بود شب جائے کہ من بودم

پنہاں کی وفات کراچی میں 19 اکتوبر 1972 کو ہوئی۔

(شاعرات اردو، ص 285، وفیات مشاہیر اردو، ص 150، تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ، ص 313)

بلقیس جمال جمالہ

بریلی میں 1909 میں پیدا ہوئیں۔ بچپن الٰہ آباد میں بسر ہوا۔ 1928 میں والد کے انتقال کے بعد بریلی آگئی تھیں۔ والدہ ہمراہ تھیں۔ پردہ نشیں اور صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں۔ 1927 میں ایک قریبی عزیز مولانا حافظ عبدالجلیل بی ایس سی، ایل ایل بی سے شادی ہوئی۔ اپنے شوہر کے ہمراہ کچھ عرصے مظفرنگر اور میرٹھ میں مقیم رہیں جہاں وہ پریکٹس کرتے تھے۔ 25 جون 1940 کو ان کے شوہر کی اچانک موت ہوگئی جس کا جمالہ کے دماغ پر گہرا اثر ہوا:

نہیں ہے جو میں اس کو ڈھونڈتی ہوں
جمالہ اس جنوں سے فائدہ کیا

جمالہ نے 9 برس کی عمر سے ہی مضمون نگاری شروع کی تھی۔ شاعری کا شوق بھی تھا۔ ابتدا میں اپنا کلام بڑی بہن پنہاں کو دکھایا بعد میں طالب الٰہ آبادی سے رجوع کیا۔ کلام ملک کے معروف رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ نظمیات کے دو مجموعے مسمّٰی بہ 'آئینہ جمال' اور 'قوس قزح' شائع ہوئے۔ افسانوں کا مجموعہ زیر اشاعت تھا۔ غزل اور نظم دونوں کی شاعرہ تھیں۔

اردو غزل کا نمونہ:

مری آنکھیں ہیں بحر اشک رواں
ذرا کھول نقاب آ تو سہی
چاند ہو ماند چاندنی پھیکی
غیرت ماہتاب آ تو سہی
پردۂ دل تجھے چھپا لے گا
تو کبھی بے نقاب آ تو سہی

قلب جب آئینہ آغاز ہے
آنکھ کیوں نا آشنائے راز ہے
کشمکش ہے کفر و ایماں کی فضول
آخری آنسو کشود راز ہے
لغزش پیہم کی پردہ داریاں
چشم ساقی کا نیا انداز ہے
نقش سجدہ ہے سر منزل جہاں
بس وہیں باب حریم ناز ہے
کب ہوئی شائع متاع درد دل
پھر اک آنسو بقائے راز ہے

فارسی غزل کا نمونہ:

بہ دست ظلمت شب ہائے غربت
سواد ماہ منزل می نوردم
نگاہ ناز در چشم نہاں شد
کہ من قاتل بہ بسمل می فرستم

چشم فتنہ ساز فغاں اے وائے وفاداری نہ کرد
راز پنہاں زاشک پر آب آید بروں
چوں تماشائے دو عالم در نظر پوشیدہ
اے جمالہ جہت از حجاب آید بروں

اردو منظومات مناظر فطرت کے موضوع پر ہیں جن میں ان کے شخصی درد ہجر کی کسک محسوس ہوتی ہے۔ نظم 'پروانہ' کا اقتباس:

میں محو سوز و ساز ہوں
فروش دلگداز ہوں
قتیل چشم ناز ہوں
شہید صد نیاز ہوں
میں نغمہ فروش ہوں
تمام سوز و جوش ہوں
شرر کدہ بدوش ہوں
نوائے خوں فروش ہوں
میری حیات مشتعل
ہے ایک سوز مستقل
یہی جہان آب و گل
یہی ہے جاں یہی ہے دل
فزوں ہے سوزش جگر
دہک رہے ہیں بال و پر
نظر اٹھا، اٹھا نظر
ہے شمع میری منتظر
لگی ہے آگ سر بسر
سلام عہد مختصر

مندرجہ ذیل نظم 'درد محبت' میں ان کے اس درد کا بلا واسطہ اظہار ہوتا ہے جس کا باعث شوہر کی موت تھی۔ مختصر اقتباس یہ ہے:

تجھ کو تیری ہی قسم میرا حال زار سن
داستان درد، تاریخ دل بیمار سن
تیری الفت مرہم زخم دل مجبور تھی
تیری الفت روح و جان عاشق رنجور تھی
تیری الفت خانۂ تاریک کی تھی روشنی
تیری الفت میرے دل کو برق کوہ طور تھی
سبزہ جب انگڑائیاں لیتا تھا بھیگی برسات میں
تیری الفت مسکراتی تھی مرے جذبات میں
چاندنی راتوں کی کیف آگیں تجلیات میں
تیری الفت نور تھی ظلمت خانۂ جذبات میں
آہ اب کیوں کر سناؤں عاشقی کا ماجرا
کس طرح الفت کو تیری مجھ سے چھڑوا دیا
رخصت اے گنج جمال آرزوئے تشنہ کام
السلام اے مرکز حسن تمنا السلام

(شاعرات اردو، ص 207، تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ، ص 92)

'ہماری زبان' کا ای میل آئی ڈی

ہفت روزہ 'ہماری زبان' کے قلم کاروں سے گزارش ہے کہ وہ اپنی تخلیقات اور تحریریں بہ ذریعہ ای میل بھی ہمیں بھیج سکتے ہیں۔ 'ہماری زبان' کا ای میل آئی ڈی درج ذیل ہے:

hamarizaban.weekly@gmail.com

تقسیم وطن کے بعد کراچی گئیں اور وہیں 1982 میں انتقال ہوا۔

حسن آرا بیگم غزالہ

بہ مقام سہارن پور (یوپی) نومبر 1911 میں پیدا ہوئیں۔ اردو انگریزی فارسی کی تعلیم اپنی بڑی بہن پنہاں سے حاصل کی۔ 1925 سے شاعری و مضمون نگاری کا آغاز ہوا۔ ابتدا میں کلام پر اصلاح اپنی بڑی بہنوں سے وصول کی بعد کو طالب الٰہ آبادی سے۔ جولائی 1927 میں مولوی احسان الحق آڈیٹر سے شادی ہوئی اور دلی میں قیام کیا۔ غزلوں کا مجموعہ 'غزال' شائع ہو چکا ہے۔ غزل اور نظم دونوں اصناف میں شاعری کی۔ غزل کا انتخاب:

عارض ہیں برق حسن ادا اک اس طرف اک اس طرف
آنکھیں ہیں [illegible] اک اس طرف
پلکوں کی [illegible] اک اس طرف
وہ ساحری ہیں [illegible] اک اس طرف اک اس طرف

جستجوئے ذوق منزل مرحبا
اب مری پرواز تا بام ہے

نظم 'ندی کے کنارے' کا اقتباس:

دہقاں کی پیاری لڑکی ندی پہ جلوہ زا ہے
ساری کا سبز آنچل سر سے ڈھلک رہا ہے
چتون کی سادگی میں اک برق شعلہ زا ہے
جس پر نظر پڑی وہ شعلہ بنا ہوا ہے
ہاتھوں میں چوڑیوں کی رنگین لہریاں ہیں
اک نغمۂ تبسم کانوں میں بس رہا ہے
معصوم سادگی میں لاکھوں تجلیاں ہیں
ماتھے کا سرخ ٹیکہ شعلہ بنا ہوا ہے
مژگاں میں مست بجلی رقصاں ہے یا ستم گر
کالی گھٹا میں کوئی انگڑائی لے رہا ہے
گیسو سے نرم جھونکے کچھ چھیڑ کر رہے ہیں
ان پیاری انکھڑیوں میں ساغر چھلک رہا ہے
معصومیت کی پتلی دیوی نزاکتوں کی
تیری ادائے سادہ جنت تھی تو ادھر کیا ہے

غزالہ نے نظم 'بانسری' میں نئی ہیئت اختیار کی ہے:

بانسری بجائے جا
او حسین کافرہ مست و ناز مطربہ
شوخ لب مغنیہ تو قتیل ساحرہ
راز غم سنائے جا
بانسری بجائے جا
خاک دشت اڑائے جا
بانسری بجائے جا
میرے دل کی ابتری اور تیری بے خودی
میرا حال زندگی تیری زلف ابتری
راز غم سنائے جا
بانسری بجائے جا
خاک دشت اڑائے جا
بانسری بجائے جا

ان نظمیات کو 80 برس سے زیادہ مدت کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ ایک اندرون خانہ تعلیم یافتہ شاعرہ کا کلام ہے۔ غزالہ کے آخری ایام کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ وہ بھی غالباً تقسیم وطن کے بعد کراچی چلی گئیں اور وہیں کسی تاریخ کو فوت ہو گئیں۔

حرف آخر

وہ ادبی شخصیات جو اپنے عہد میں درخشاں تھیں لیکن عطائے مستقبل کی طرح نابود ہو گئیں، ان کی بازیافت نالندہ اور ٹیکسلا کے آثار قدیمہ کی طرح اہم معلوم ہوتی ہے تاکہ ادبی تاریخ کے تسلسل میں ان کی اہمیت کا سلسلہ قائم رہے۔

ماخذات

1- شاعرات اردو، محمد جمیل احمد بریلوی، قومی کتب خانہ بریلی، 1944۔
2- وفیات مشاہیر اردو، بشارت علی خاں فروغ رامپوری، مکتبہ الحسنات دہلی، مارچ 2000۔
3- تاریخ شعرائے روہیل کھنڈ، سید تنظیم علی نقوی شایاں بریلوی، کراچی، مطابق 4 محرم بروز جمعہ مطابق 27 جولائی 1990۔ یہ چاروں جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ مجھے اس مصنف نے کچھ ہی دنوں بعد ایک نسخہ برائے تبصرہ بھیجا تھا، وہی نسخہ میرے پیش نظر ہے۔
4- وہ حالات جو مضمون نگار نے اپنی تحقیق سے معلوم کیے۔

77، پھول والان، بریلی-243003، یوپی

٭٭٭

راجستھان کا صوفی منش شاعر

بسملؔ نقشبندی: ایک تعارف

قطب الدین قریشی

بسملؔ نقشبندی 15 اکتوبر 1943 کو رتلام میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی تعلیم ہائر سیکنڈری اور جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل تک ہوئی۔ اپنی شاعری کے رشتے کو مرزا غالب تک پہنچاتے ہوئے وہ فرماتے ہیں: "میرا شجرۂ شاعری غالب سے ملتا ہے۔ حضرت مرزا غالب کے جانشین حضرت مولانا حالی پانی پتی، حالی کے جانشین حضرت پربھو دیال عاشق لکھنوی، حضرت عاشق لکھنوی کے جانشین حضرت صادق اندوری اور حضرت صادق اندوری کے جانشین بسملؔ نقشبندی ہیں"۔

بسملؔ نقشبندی بڑے ہی حساس دل کے مالک ہیں، وہ شاعری کو ایک جذبۂ لافانی مانتے ہیں۔ شاعری کی طرف اوائل عمری ہی سے ان کا طبعی رجحان رہا اور اس فن کو انھوں نے بھرپور ذہانت کے ساتھ اختیار کیا۔

شاعری کے ساتھ بسملؔ صاحب کو روحانی تصورات سے بھی لگاؤ رہا ہے، انھیں ان کے پیر و مرشد حضرت رحمت علی شاہ کی طرف سے سلسلۂ نقشبندیہ کی خلافت عطا ہوئی اس لیے خود کو بسملؔ نقشبندی لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ چشتیہ کا اثر بھی ان کی شاعری میں صاف طور پر نظر آتا ہے۔

بسملؔ صاحب نے چوں کہ شاعری کو ایک جذبۂ لافانی سمجھ کر اختیار کیا ہے اس لیے اُن کی شاعری میں زندگی کی سچائیوں کے بہت سے پہلو مل جاتے ہیں، وہ چاہے غزل کہیں یا شاعری کی دوسری اصناف پر طبع آزمائی کریں اُن کے کلام میں زندگی اور کائنات کے اہم اور سچے گوشے مل جاتے ہیں، ویسے بسملؔ صاحب نے غزل کو ایک محبوب صنفِ شاعری سمجھ کر اختیار کیا اسی لیے ان کی غزل میں شعور و فکر کی بعض بہت ہی اعلا صورتیں نظر آتی ہیں۔ انھوں نے اساتذۂ فن سے علم عروض اور تاریخ گوئی کی مہارت بھی حاصل کیا ہے اس لیے ان کے کلام میں کسی قسم کی ایسی لغزش نظر نہیں آتی جو ان کے کلام کو بے اثر کردے۔

زبان و بیان کا بھی انھیں خاص شعور ہے اور اس سلسلے میں بھی وہ کافی مہارت کا ثبوت دیتے ہیں اسی لیے ان کے کلام میں زبان کی چستگی اور بیان کی سلاست پوری طرح نظر آتی ہے۔ اُن کا کلام تصوف کی پاکیزگی اور اخلاقی روایتوں سے مزین ہے۔ ان روایتوں کو انھوں نے اپنی عملی زندگی کا ایک سچا نمونہ بنا کر اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔

بسملؔ صاحب کو غزل سے بے پناہ لگاؤ ہے گویا غزل ان کے جسم میں سانس کی طرح رواں دواں ہے۔ بسملؔ نقشبندی نے اساتذۂ فن سے استفادہ ضرور کیا ہے لیکن اُن کی غزل میں جدید تصورات اور جدید طریقۂ اظہار کی بعض بہت ہی دل کش تصاویر ملتی ہیں۔ سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ انھوں نے جدت طرازی کو اپنا شعار بنایا اور غزل میں ایک نئے رنگ و آہنگ کو شامل کیا ہے۔ موصوف اس بات پر مصر ہیں کہ غزل میں اپنی انفرادیت برقرار رکھی جائے اور اندھی تقلید سے اپنے دامن کو بچایا جائے، ان کی نگاہ میں تقلید وہ بیساکھی ہے جس کے سہارے دور تک نہیں جایا جاسکتا لہٰذا وہ کہتے ہیں:

آنے والی نسل کا رشتہ منزل سے کیا جوڑیں گے
بیساکھی پر چلنے والے نقشِ قدم کیا چھوڑیں گے
میں نے زمین دل سے اُگا کر ہی حیات
باندھا ہے بادہ وقت کے تیکھی ہواؤں پر
شیشے سے نازک دل لے کر خون آلودہ ہاتھوں میں
ہم پتھر کے ڈھیر پہ بیٹھے کب تک پتھر توڑیں گے

بسملؔ نقشبندی کے درج بالا اشعار جدید لب و لہجے کے ترجمان ہیں۔ ان اشعار میں حالاتِ حاضرہ اور نئی تہذیب کے بطن سے پیدا ہونے والے کرب کی تصویریں بھی دکھائی دیتی ہیں جن پر بسملؔ صاحب دور حاضر کے ایک باشعور اور بیدار مغز فنکار کی طرح طنز کرتے نظر آتے ہیں، وہ محض طنز ہی نہیں کرتے بلکہ ان حالات کے خلاف نبرد آزمائی بھی کرتے ہیں اور ایک بلند ہمت انسان کی طرح ان حالات کو تبدیل کرنے کا عزم بھی ظاہر کرتے ہیں اسی لیے کہتے ہیں:

زیست کے بہتے سمندر کی ہواؤں کی بہائے کی خاطر
عزم و عمل کی پتواروں سے طوفاں کا رخ موڑیں گے

انکار جرم کرنے سے پہلے یہ سوچ لو
میرا قتل کی ہے میرے لہو کا گواہ ہے

ایک دیکھ لی حیات کا نشتی پہ بار ہے
چسپاں ہر ایک چہرے پہ یہ اشتہار ہے

بسملؔ صاحب کا مزاج بڑا سادہ ہے اسی لیے وہ اپنی بات بھی انتہائی سادگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ زبان کے سلسلے میں بھی ان کا عمل بہت ہی لچیلا ہے لہٰذا ان کی غزل میں ہندی الفاظ اور تراکیب بھی ملتی ہیں، ان کی اس روش سے ان کی غزل میں اور بھی نکھار پیدا ہوگیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میں سفید سا سادہ ہوں کیا میرے سے پہچان کی پیاسا ہے
لیکن میں مجبور ہوں یاروں میں میرا اُنسیاسی ہے
میں کیا بولوں تم خود سوچو آخر اس کا کیا کارن
پیول ایک اجلا سا ہے ہر چہرے پر اداسی ہے
مجھ کو پڑھنا ہو تو میرے شعروں کو پڑھ لو یارو
میرے ہر ایک شعر میں میرے جیون کی گاتھا ہے

بسملؔ صاحب کا ذہنی رجحان مذہب اور تصوف کی طرف مائل تھا، وہ دنیاداری اور دنیا پرستی سے اور دنیاوی مکروہات سے خود کو بچائے رکھتے تھے۔ وہ عملی طور پر خود کو نقشبندی اور چشتیہ خاندان سے منسلک مانتے ہیں اسی لیے ان کے کلام میں مذہبی موضوعات، رسول خدا سے گہری محبت اور عقیدت کے باعث نعتِ رسولؐ اور منقبت بھی لکھتے ہیں۔ ذیل میں نعتیہ شاعری کی چند مثالیں پیش ہیں:

منقبت:

آج اپنی محفل میں اجمیر سے خواجہ آئے ہیں
بھیجا ہے کرم کرنے کیلئے اس ملک کے راجا آئے ہیں
آنکھوں میں عقیدت کی لڑیں ہاتھوں میں تلاوت کا دریا
خوشبوؤں کے پھول کھلاتے لو وہ جانب صحرا آئے ہیں

نعت:

ذکرِ سرکار کی شمعوں کو جلائے رکھیے
محفلِ شوق درودوں سے سجائے رکھیے
دل میں ارمانِ زیارت کو بسائے رکھیے
جانبِ طیبہ نگاہوں کو اٹھائے رکھیے
چوم کر اپنے انگوٹھوں کو بنامِ سرور
احتراماً انھیں آنکھوں سے لگائے رکھیے

بسملؔ صاحب کا شمار بانسواڑہ کے ان شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے یہاں نظم گوئی کی جدید روایتوں کو تر و تازہ کیا۔ جن شعرا نے بانسواڑہ میں نظم کی جدید صورتوں کو اختیار کیا اور اردو کی جدید نظم نگاری کے اعلا نمونے پیش کیے ان میں بسملؔ نقشبندی بھی شامل ہیں۔ ویسے تو بسملؔ نقشبندی صاحب بنیادی طور پر غزل گو ہیں لیکن انھوں نے جس قدر نظمیں کہی ہیں ان میں فکری اور فنی اعتبار سے وہ ساری جدت طرازیاں موجود ہیں جو اردو کی جدید نظم کی امتیازی حیثیت مانی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بسملؔ صاحب نے اپنی نظموں کو اپنی فکر سے مزین کیا ہے۔ یہاں بسملؔ صاحب کی نظموں سے کچھ اشعار پیش ہیں:

شاخ گل پر جو کسی پھول کو جلتے دیکھا
یک بیک
جاگ اٹھا
دل میں شعورِ ماضی
چہرۂ ہمن پہ ابھرا وہی عکس دروں
جگمگا اٹھی نظر میں وہی تحریر جمال
اور میں
کھو گیا ماضی کے شبستانوں میں
چند لمحوں کے لیے مل گئی پھر مجھ کو حیات
اور میں ہوگیا آسودۂ انوارِ نظر
جیسے
آئینے میں تنویرِ تجلی چمکے

میرے جذبات
میرے سینے احساس کی دھوپ
تیز سے تیز بھی
ہوجائے گی
اس طرح کے ساتھ
اور
اس دھوپ میں
تپ تپ کر نکھر جائے گا
مجھ میں پوشیدہ
جو فنکار ہے
اس کا شہکار

غرض یہ کہ بانسواڑہ میں بسملؔ نقشبندی صاحب نے فکری اور فنی اعتبار سے اردو شاعری کو جس طرح جدت طرازی سے قریب کیا اس سے ان کی ذہنی اور تخلیقی قوت کے ساتھ ہی اردو شاعری کو صحیح سمتوں میں لے جانے والے ان کے جذبے کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ بسملؔ نقشبندی بانسواڑہ کے شعرا میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، ان کے کلام میں روایت و جدت کا حسین امتزاج ہے، وہ شاعری میں جہاں روایت کے طرفدار ہیں وہاں جدت کے پرستار بھی ہیں، ان کے کلام میں جہاں قدیم روایت کی اقدار ملتی ہے وہیں جدید افکار و نظریات کی واضح ترجمانی بھی ملتی ہے۔ غرض یہ کہ بسملؔ نقشبندی (متوفی 14 اکتوبر 2004) کی نظمیں جدید نظم کے فنی تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔

کتابیات

(1) فیضانِ رحمت (2000)، بسملؔ نقشبندی، پی این آشا آفسیٹ پرنٹنگ، انقلاب، بانسواڑہ، راجستھان

(2) ہفت رنگ (1981)، مرتبہ: ڈاکٹر شاہد میر، بھوپال بک ہاؤس، بدھوارہ، بھوپال

(3) آوازیں (1977) مرتبہ ڈاکٹر شاہد میر، بزمِ ادب بانسواڑہ، راجستھان

مدنی کالونی، بانسواڑہ-327001 (راجستھان)

□□□

اردو دُنیا

ضابطہ اخلاق کے نفاذ سے قبل اردو ٹیچروں کی تقرری مکمل کی جائے

پٹنہ (20 اگست)۔ اسمبلی انتخاب کی تاریخ جوں جوں قریب آ رہی ہے، اسپیشل اردو/ بنگلہ ٹی ای ٹی پاس امیدواروں کی سرکاری ملازمت کی امیدیں مایوسی میں بدلتی جا رہی ہیں کیوں کہ عدالت میں معاملہ زیر سماعت ہونے کی وجہ سے ان کی تقرری کا راستہ صاف نہیں ہو پا رہا ہے۔

ابھی ضروری کارروائی مکمل ہونے کے باوجود ان کے سرکاری ٹیچر بننے کی راہ میں کئی رکاوٹیں ہیں۔ اس سلسلے میں کئی طرح کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، اس درمیان اردو/ بنگلہ ٹی ای ٹی پاس متاثر امیدواروں نے آج سے دو روزہ بھوک ہڑتال شروع کر دی ہے۔ دھرنا پر بیٹھے سیکڑوں متاثر امیدواروں نے کہا کہ حکومت 19 نمبر گریس والے رزلٹ کو صحیح قرار دیتے ہوئے عدالت کو مثبت جواب دے اور تقرری کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرے۔ انتخابی موسم میں اردو امیدواروں کے ساتھ ناانصافی کا رویہ کسی طور پر درست نہیں۔ اردو/ بنگلہ ٹی ای ٹی پاس امیدواروں کی تنظیم نے سرکار سے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ وہ مثالی انتخابی ضابطہ اخلاق نافذ ہونے سے قبل ترجیحی بنیاد پر تقرری کی کارروائی مکمل کرے ورنہ اسمبلی انتخابات میں امیدواروں کی شدید ناراضگی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ دھرنا احتجاج پر بیٹھے امیدوار مختلف قسم کے جذباتی نعرے لگا رہے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ حکومت سنجیدگی کے ساتھ فوری ان کے مسائل پر توجہ دے اور کارروائی کرے۔ تنظیم کے صدر مفتی حسن رضا نے کہا کہ سرکار کی نیت اگر صاف ہے تو وہ راجستھان سرکار کی طرح پچاس اور پچپن فیصد کٹ آف مارکس بنا کر بحالی کو یقینی بنائے۔ آصف اللہ نے کہا کہ سرکار اپنا مثبت اور مضبوط موقف عدالت کے سامنے رکھ کر اس معاملے کو حل کرے۔ محمد جواب اختر نے کہا کہ اردو ٹیچروں کی تقرری کے معاملے پر کچھ لوگ سیاست کر رہے ہیں اور سنجیدگی سے کوئی اقدام نہیں کر رہے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگوں کی منشا ہے کہ اسی طرح یہ تقرری ٹلتی رہے اور اردو ٹیچروں کی بحالی نہ ہو۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

اردو اساتذہ کی تقرری کا فیصلہ آئندہ کابینی میٹنگ میں متوقع

لکھنؤ (24 اگست)۔ ٹی ای ٹی پاس 11 اگست 1997 تک کے معلم اردو سند یافتگان کی تقرری کی راہ جلد ہی ہموار ہونے کا امکان ہے۔ گزشتہ دنوں ریاست کے وزیر اعلیٰ اکھلیش یادو کی یقین دہانی اور ان کے اعلان کے مطابق 3500 مزید اردو اساتذہ کی تقرری پر جلد ہی عمل درآمد کرایا جائے گا۔ قوی امکان ہے کہ منگل کو ہونے والی کابینہ کی میٹنگ میں اردو اساتذہ کی تقرری کو فیصلہ بھی کرایا جائے۔ اردو اساتذہ کی تقرری کے لیے تحریک چلا رہی تنظیموں کے افراد اپنے طور سے سرگرم ہیں اور حکومت و افسران سے مسلسل رابطہ کر رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق حکومت نے گزشتہ ماہ جو اعلان کیا تھا، اس پر کام جاری ہے اور دیگر متعلقہ محکموں سے گفت و شنید کے لیے 25 اگست کو متوقع کابینہ کی میٹنگ میں اس کو منظور کرایا جائے گا۔ کابینہ سے منظوری کے بعد ایک ہفتے کے اندر تقرری کے لیے اشتہار جاری ہو سکتا ہے۔ فی الحال محکمہ بیسک تعلیم کی پرنسپل سکریٹری ڈمپل ورما آئندہ 31 اگست تک تعطیل پر ہیں اور محکمے کا چارج سکریٹری ہیرا لال گپتا (ایچ ایل گپتا) کے پاس ہے۔ وہ بھی 31 اگست کو سبکدوش ہونے والے ہیں اور اس کے بعد ریاست کے چیف سکریٹری کے تعطیل پر جانے کی اطلاع ہے۔ ریاستی حکومت کی منشا ہے کہ ریاست میں پنچایتی انتخابات کے لیے ضابطہ اخلاق نافذ ہونے سے قبل اردو اساتذہ کی تقرری کا عمل شروع ہو جائے۔ اس سلسلے میں معلم اردو ویلفیئر ایسوسی ایشن اور ٹی ای ٹی پاس معلم اردو ایسوسی ایشن اتر پردیش کے ذمہ داران مسلسل حکومت، کابینی وزرا اور محکمہ بیسک تعلیم کے اعلیٰ افسران سے رابطے میں ہیں۔ حکومت کے اس اعلان کے ساتھ تمام جواز والے معلم اردو سند یافتگان کی تقرری ہونے کا امکان ہے۔ یہ عمل موجودہ حکومت کے لیے بھی بہت مثبت ہوگا اور عوام و اردو داں طبقے کے لیے بھی۔ اس سے جہاں ریاست کے پرائمری اسکولوں میں اردو اساتذہ کی قلت دور ہوگی وہیں ریاست کی دوسری سرکاری زبان اردو کی تعلیم کو فروغ بھی حاصل ہوگا۔ اگر اگست میں حکم نامہ جاری نہیں ہوتا ہے اور ستمبر کے پہلے ہفتے تک اشتہار جاری نہیں ہو پاتا ہے تو پھر تقریباً آٹھ ماہ تک مزید انتظار کرنا ہوگا کیوں کہ 15 ستمبر سے 15 دسمبر کے درمیان پنچایتی الیکشن کے لیے ضابطہ اخلاق نافذ رہے گا، اس کے بعد موسم سرما کی تعطیل پھر جنوری، فروری میں بورڈ کے پریکٹیکل امتحانات ہوں گے۔ اس کے بعد ہی آئندہ اپریل 2016 سے شروع ہونے والے نئے تعلیمی سال میں ہی کارروائی مکمل ہونے کی توقع ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

تلنگانہ کے سرکاری محکموں میں

پندرہ ہزار سے زائد اسامیوں پر تقرری کا اعلان

نان ٹیکنیکل اسامیوں کے پرچہ سوالات اردو میں فراہم کرنے کی کوشش جاری

حیدرآباد (13 اگست)۔ تلنگانہ میں مختلف محکموں میں ہونے والے 15000 سے زائد تقرر کے سلسلے میں روسٹر سسٹم کے تحت مسلمانوں کو چار فیصد تحفظات پر عمل آوری کو یقینی بنانے کی ضرورت ہے۔ حکومت نے مختلف محکموں میں 15522 اسامیوں پر تقرر کا فیصلہ کیا ہے جو تلنگانہ پبلک سروس کمیشن کے علاوہ مختلف محکموں کے ریکروٹمنٹ بورڈز اور سلیکشن کمیٹیوں کی جانب سے انجام دیے جائیں گے۔ متحدہ آندھرا پردیش میں طے شدہ روسٹر سسٹم کے تحت تقرری میں مسلمانوں کو چار فیصد تحفظات کی فراہمی کی گنجائش رکھی گئی ہے تاہم اطلاعات کے مطابق ٹی آر ایس حکومت سابقہ روسٹر سسٹم کے بجائے نئی فہرست تیار کر رہی ہے جس میں 25 زمرہ جات کی نشان دہی کی گئی اور مسلمانوں کو چار فیصد تحفظات کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اس سلسلے میں تلنگانہ پبلک سروس کمیشن سے رابطہ قائم کیا گیا تو کمیشن کے صدر نے وضاحت کی کہ حکومت کی جانب سے نئے روسٹر سسٹم کے بارے میں ابھی تک کوئی احکام وصول نہیں ہوئے اور پبلک سروس کمیشن موجودہ روسٹر سسٹم کے تحت ہی تقرری کی تیاری کر رہا ہے۔ تلنگانہ پبلک سروس کمیشن کے ذریعے 9783 اسامیوں پر تقرری عمل میں لائے جائیں گے جو سات محکموں کی اسامیوں پر محیط ہے۔ تلنگانہ پبلک سروس کمیشن کے صدر چکرا پانی نے بتایا کہ موجودہ روسٹر سسٹم کے تحت تقرری کی تیاری مکمل ہو چکی ہے جس میں مسلمانوں کو بی سی ای زمرے کے تحت چار فیصد تحفظات کی گنجائش ہے۔ انھوں نے نئے روسٹر سسٹم کے بارے میں بعض اخبارات میں شائع شدہ خبروں کو حقائق سے بعید قرار دیا اور کہا کہ اس سلسلے میں حکومت کی جانب سے ابھی تک کوئی احکام وصول نہیں ہوئے۔ اسی دوران کمیشن میں واحد اقلیتی رکن متین الدین قادری نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ تقرر کے سلسلے میں نان ٹیکنیکل پوسٹوں کے پرچہ جات اردو زبان میں فراہم کیے جائیں۔ ان کی تجویز پر کمیشن نے اتفاق کرتے ہوئے حکومت سے اجازت طلب کی ہے۔ حکومت کی منظوری کے بعد اردو زبان میں پرچہ سوالات کی فراہمی عمل میں آئے گی۔ متین الدین قادری کے مطابق ٹیکنیکل پرچہ جات تو انگریزی زبان میں رہیں گے جب کہ گروپ I اور II کے امتحانی پرچوں کو اردو زبان میں تیار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ اقلیتی طبقے کے امیدواروں کو سہولت ہو۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

اردو مشاورتی کمیٹی کی پہلی میٹنگ میں اردو کی تعلیم کا مسئلہ چھایا رہا

کمیٹی کے ارکان کا ایک وفد وزیر اعلیٰ سے مل کر پرائمری سے یونیورسٹی تک اردو اساتذہ کی خالی جگہوں کو جلد از جلد پُر کرنے کی گزارش کرے گا

پٹنہ (25 اگست)۔ اردو کے مسائل اور دوسری سرکاری زبان اردو کی راہ میں حائل عملی مشکلات پر غور و فکر کے لیے تشکیل راج بھاشا کی تشکیل اردو مشاورتی کمیٹی کی پہلی میٹنگ میں اردو کی تعلیم کا مسئلہ چھایا رہا۔ ذرائع کے مطابق دو گھنٹے تک چلی اس میٹنگ میں ممبران نے پرائمری سے یونیورسٹی کی سطح تک اردو کی تعلیمی صورت حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا۔ واضح رہے کہ اردو مشاورتی کمیٹی کی تشکیل کے بعد یہ اس کی پہلی میٹنگ تھی اور ارکان بڑی تعداد میں شریک تھے۔ کمیٹی کے چیئرمین شفیع مشہدی کی صدارت میں منعقد اس میٹنگ میں وائس چیئرمین ڈاکٹر مشتاق احمد، ارکان ریحان غنی، سید مجیر ظہیر نگر، ڈاکٹر سید احمد قادری، افضل حسین، اسد رضوی، پروفیسر قمر جہاں، شاہ ہلال احمد قادری، ڈاکٹر عبدالحنان سبحانی، پروفیسر توقیر عالم، اردو اکادمی کے سکریٹری مشتاق احمد نوری اور کمیٹی کے ممبر سکریٹری امتیاز احمد کریمی (ڈائرکٹر اردو)، ڈپٹی ڈائرکٹر خورشید اکبر اور اردو ڈائرکٹوریٹ کے دیگر افسران و اہلکاران شریک تھے۔ میٹنگ کے ایجنڈے میں سرکاری اسکولوں میں اردو کی ابتدائی تعلیم کی صورت حال، انگلش میڈیم میں اردو کی تعلیم کا نظم کیے جانے کی ضرورت اور بحیثیت ثانوی سرکاری زبان اردو کی صورت حال اور اس کے مسائل پر غور و خوض شامل تھا۔ ارکان نے پرائمری، اپر پرائمری اور سیکنڈری اسکول میں اردو اساتذہ کی کمی پر تشویش کا اظہار کیا۔ ذرائع کے مطابق کمیٹی کے ارکان کا ایک وفد عنقریب وزیر اعلیٰ نتیش کمار سے مل کر پرائمری سے یونیورسٹی تک اردو اساتذہ کی خالی جگہوں کو جلد از جلد پُر کرنے کی گزارش کرے گا۔ میٹنگ میں ان اضلاع، سب ڈویژنوں اور بلاکوں میں اردو عملے کی تقرری کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا جہاں ابھی تک راج بھاشا کی یونٹ کا قیام عمل میں نہیں آیا ہے۔ کمیٹی میں راج بھاشا کے عملے کو متحرک کرنے کے لیے یہ تجویز بھی زیر بحث آئی کہ مشاورتی کمیٹی اضلاع اور کمشنریوں میں جا کر میٹنگیں کرے گی۔ اردو ڈائرکٹوریٹ کے ایک اعلیٰ افسر نے اس موقع پر بتایا کہ ڈائرکٹوریٹ کلکٹروں سے رپورٹ طلب کرے گا کہ وہ اردو کے اہلکاروں سے اردو کے کاموں کے علاوہ کیا کیا کام لے رہے ہیں۔ میٹنگ کے بعض شرکا کا کہنا ہے کہ اس کی کارروائی کو دیکھنے سے لگا کہ راج بھاشا کو ایک بالغ نظر، فعال اور باحوصلہ مشاورتی کمیٹی مل گئی ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

کوسہ اردو میونسپل اسکول کے طلبہ بغیر پنکھے، لائٹ اور پانی کے تعلیم حاصل کرنے پر مجبور

ممبرا (11 اگست)۔ وزیر اعلا نے تھانے کو اسمارٹ سٹی بنانے کا منصوبہ بنایا ہے لیکن ٹی ایم سی کے کوسہ اردو سیکنڈری اسکول نمبر 13 کی حالت یہ ہے کہ وہاں زیر تعلیم تقریباً ایک ہزار طلبہ سیمنٹ کے شیڈ کے نیچے بغیر پنکھے، بجلی اور پانی کے تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جس اسکول کی طالبہ عائشہ شمیم خان نے ایس ایس سی میں 80-90 فیصد مارکس حاصل کرکے پورے تھانے میونسپل کارپوریشن کے 13 سیکنڈری اسکولوں میں ٹاپ کیا ہے، اسی اسکول میں آج بنیادی سہولتوں کا فقدان ہے۔

اس سلسلے میں اسکول کے اساتذہ، شہری انتظامیہ کے اعلا افسران کے خوف سے کچھ کہنے سے کتراتے رہے البتہ شملہ پارک میں شاندار اسٹیڈیم کے مقابل چال میں واقع مذکورہ اسکول میں زیر تعلیم چند طلبہ سے پوچھنے پر معلوم ہوا ہے کہ جب سے اسکول شروع ہوا ہے تو کمروں میں پنکھے نہیں لائٹ یہاں تک کہ بجلی کے بورڈ بھی چرا لے گئے ہیں، اسی لیے وہ بغیر پنکھے، بجلی اور پانی کے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جب نمائندہ 'انقلاب' مذکورہ کوسہ میونسپل اسکول پہنچا تو کلاس میں بیٹھے طلبہ، طالبات پسینے سے شرابور نظر آئے۔ نویں جماعت کے طلبہ نے بتایا کہ کلاس روم میں سیمنٹ کی شیڈ والی چھت ہونے کے سبب دوپہر ساڑھے 12 بجے سے ہی گرمی شروع ہوجاتی ہے جو پورے دن رہتی ہے۔ کلاس میں ہوا کا گزر بسر تک نہیں ہے۔ ایک طالبہ نے بتایا کہ "بعض اوقات اتنا گرم ہوتا ہے کہ لکھتے ہوئے کاپی پر پسینہ ٹپکنے لگتا ہے اور وہ خراب ہوجاتی ہے"۔ ایک طالب کے مطابق شدید گرمی کے سبب پڑھنے میں بھی دشواری ہوتی ہے اور بارش کے موسم میں جب بادل چھا جاتے ہیں تو کمرے کی بنچوں پر روشنی کا بھی مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ اسکول میں پانی کی بھی کوئی سہولت نہیں جس کے سبب اکثر طلبہ گھر سے پانی کی بوتل اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ طلبہ کو پینے کا پانی لینے کے لیے پرائمری اسکول کی بلڈنگ میں جانا پڑتا ہے۔

اس ضمن میں تھانے کے میونسپل کمشنر سنجیو جیسوال، میونسپل سکریٹری منیش جوشی اور ایجوکیشن آفیسر (ای او) بھارت رتن سے استفسار کیا گیا۔ ایجوکیشن آفیسر نے دورہ پر میٹنگ میں ہونے کا عذر پیش کیا جب کہ دیگر افسران نے نہ تو فون اٹھایا اور نہ ہی ایس ایم ایس کا کوئی جواب دیا البتہ ممبرا کے ڈپٹی میونسپل کمشنر سندیپ مالوی نے اس مسئلے کو دور کرنے کے لیے ضروری اقدام کرنے کا یقین دلایا ہے۔ انھوں نے اسکول کے دورے کی بھی یقین دہانی کرائی ہے۔ (انقلاب۔ دہلی)

مختلف محکموں میں اردو کی خالی اسامیوں کو پُر کرنے کا مطالبہ

نئی دہلی (21 اگست)۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن نے دہلی حکومت کے وزیر اعلا اروند کجریوال سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے محکمہ آرٹ، کلچر اینڈ لنگویج کے حکم نامہ مورخہ 17 اگست 2015 کے نفاذ میں دہلی حکومت کے تمام سرکاری اور نیم سرکاری محکموں کے دفاتر میں اردو آفیسرز، ٹرانسلیٹرز اور اردو کمپیوٹر آپریٹرز کا تقرر جلد از جلد مکمل کرلیں۔ آرگنائزیشن کے قومی سینئر نائب صدر اور نیشنل کیمپین برائے تعلیمی و تعلیمی اداروجات، حکومت ہند کے اعزازی کوآرڈینیٹر ڈاکٹر سید احمد خان نے جاری بیان میں دہلی آفیشیل لنگویج ایکٹ 2000 کے مکمل نفاذ اور دوسری سرکاری زبان اردو کے فروغ کے لیے دہلی حکومت کے تمام محکموں اور پرشدوں کے دفاتر میں اردو آفیسرز، ٹرانسلیٹرز اور اردو کمپیوٹر آپریٹرز کے عہدوں پر تقرر کو یقینی بنائے جانے کا مطالبہ کیا، نیز یہ بھی کہا کہ اگر تین ماہ کے اندر اردو زبان کو حاصل آئینی حقوق پر دہلی حکومت کی جانب سے عمل نہ ہوا تو اس صورت میں دہلی کی عدالت عالیہ سے رجوع کیا جائے گا۔ ڈاکٹر سید احمد خان نے امید ظاہر کی کہ دہلی کے موجودہ وزیر اعلا جناب اروند کیجریوال کشادہ ذہن اور ترقی پسندی کے حامل ہیں۔ ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اردو داں عوام کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے قومی دارالسلطنت دہلی میں ہندستان کی تہذیب و تمدن کو مزید ترقی دینے کے لیے اردو زبان کو ہر ممکن تعاون سے نوازیں گے۔

(انقلاب۔ دہلی)

اردو مترجمین کے وفد کی سابق ایم ایل سی سے ملاقات

دیوبند (26 اگست)۔ اترپردیش اردو انوواک راجپترت کرمچاری سنگھ کے ایک چار رکنی وفد نے تنظیم کے نائب صدر تحسین علی کی قیادت میں سابق ایم ایل سی وزیر مملکت کا درجہ رکھنے والے آشو ملک سے ملاقات کی۔ اراکین وفد نے آشو ملک کو صوبے میں تقرر یافتہ اردو ٹرانسلیٹروں کی تنخواہوں کی ادائیگی نہ ہونے اور دیگر مشکلات سے متعلق آگاہ کرایا۔ اراکین وفد نے بات چیت کے دوران آشو ملک کو صوبے کے وزیر اعلا کے نام ایک میمورنڈم بھی سپرد کیا۔ میمورنڈم میں خاص طور پر اردو ٹرانسلیٹروں کو دیگر ملازمین کے مساوی مراعات دیے جانے اور اخلاقی طور پر ان کی مشکلات کے ازالے کے لیے ماضی میں کمشنروں سے متعلق کیے گئے اقدام اور فیصلوں کے مطابق اردو ٹرانسلیٹروں کو بھی ان کا صحیح مقام دیے جانے کا مطالبہ کیا۔ میمورنڈم میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ اردو ٹرانسلیٹروں کو معاون انچارج افسر کے مساوی عہدہ اور اردو ٹرانسلیٹر معاون انتظامیہ افسران کے عہدے پر بحال کیا جائے اور صوبے کے کلیریکل اسٹاف کے مساوی اردو ٹرانسلیٹروں کو بھی ۵ سال کے عہدہ دیتے ہوئے ترقی کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اس کے علاوہ اردو ٹرانسلیٹروں کو کلرکوں کے عہدوں اور ان کو ملنے والی مراعات کے مساوی تنخواہیں اور دیگر بھتے نیز وقتے وقتے پر ملنے والی ترقیات کے مواقع انھیں بھی یکساں طور پر فراہم کیے جانے کے احکام نافذ کیے جائیں۔ آشو ملک نے اراکین وفد کے تمام مسائل اور پریشانیوں کو بغور سنا اور یقین دہانی کرائی کہ ان کے تمام مسائل کا حل جلد از جلد کیا جائے گا۔ ملاقات کرنے والے وفد میں صوبائی نائب صدر تحسین کے علاوہ ضلع صدر محمد مستقیم، ضلع جنرل سکریٹری توفیق احمد اور اردو ٹرانسلیٹر فہیم احمد بھی موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

مہاراشٹر کے اسکولوں میں اردو اختیاری مضمون کے طور پر شامل

ممبئی (4 اگست)۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے چانسلر ظفر سریش والا کے ذریعے "تعلیم کی طاقت" کے عنوان سے جنوبی ممبئی میں منعقد کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلا دیویندر فڑنویس نے اعلان کیا کہ اسکولوں میں اقلیتی فرقے کے طلبہ کے لیے مہاراشٹر حکومت اردو کو اختیاری زبان کے طور پر شامل کرے گی۔ فڑنویس نے اس موقعے پر مزید کہا کہ ریاستی حکومت نے اقلیتی فرقے کے لیے ایک خاص اردو اگری کالج کو بھی منظوری دے دی ہے، جس کا قیام جلد ہی ممکن ہوگا۔ تعلیم کی طاقت (پاور آف ایجوکیشن) نامی اس کانفرنس میں 300 سے زیادہ لوگوں نے حصہ لیا، اس میٹنگ میں مقررین کے طور پر نالج یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر ایس این پٹھان، یونین بینک آف انڈیا کے چیئرمین اور مینیجنگ ڈائرکٹر ارون تیواری، ممبئی کے رکن راجیہ اگروال اور فلموں کے مصنف اور اداکار سلمان خان کے والد سلیم خان شامل تھے۔ ظفر سریش والا کی طرف سے مسلم نوجوانوں کو تعلیم کے ذریعے بااختیار بنانے کے مقصد میں آنے والی رکاوٹوں پر بات چیت کرنے کے لیے منعقد کی گئی اس کانفرنس میں فڑنویس نے یہ اعلان کیا۔ تعلیم کی طاقت نامی اس کانفرنس میں مسلم کمیونٹی کو خاص طور پر خواتین کو تعلیم یافتہ کرنے کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا گیا تاکہ معیشت کو فروغ مل سکے اور روزگار کے بہتر مواقع کو بھی یقینی بنایا جاسکے۔ مدارس میں ریاضی، سائنس اور دیگر موضوعات پر توجہ مرکوز کرنا چاہیے اور سیاسی لوگوں کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ تعلیم کو سیاست سے الگ ہی رکھا جائے۔ حکومت نے اقلیتی فرقے کے طلبہ کے لیے اسکالرشپ کی رقم کو 2.5 لاکھ روپے سے بڑھا کر 6 لاکھ کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ بی جے پی حکومت اور اقلیتی فرقے کے درمیان فاصلے کو کم کرنے کے مقصد سے فڑنویس نے کہا کہ اگر ایک بھی کمیونٹی پس ماندہ ہوتی ہے تو سارا ملک مجموعی طور پر پس ماندہ ہی سمجھا جاتا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو میڈیم اسکولوں میں غیر اردو داں انگلش ٹیچرز کے تقرر پر اعتراض

نظام آباد، تلنگانہ۔ آل انڈیا آئیڈیل ٹیچرس اسوسی ایشن نظام آباد یونٹ کے صدر جناب محمد اسحاق حسین کے بموجب اردو میڈیم ہائی اسکولوں میں مضمون انگریزی پڑھانے کے لیے غیر اردو داں اساتذہ کے تقرر کیے جا رہے ہیں جو اردو میڈیم طلبہ کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔ انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ خالص اردو میڈیم اسکولوں میں مضمون انگریزی پڑھانے کے لیے اردو جاننے والے اساتذہ کے تقرر کیے جائیں تاکہ طلبہ کے ساتھ انصاف ہوسکے۔ ایسے متوازی اسکول جہاں اردو میڈیم اور تلگو میڈیم ہیں وہاں پر بھی اردو جاننے والے اساتذہ کو انگریزی پڑھانے کے لیے تقرر کیا جائے کیوں کہ اردو میڈیم کے طلبہ کی کثیر تعداد ہے جب کہ تلگو میڈیم طلبہ کی تعداد برائے نام ہے۔ اس کے باوجود حکومت اساتذہ کے تقرر نہیں کر رہی ہے۔ انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ Rationalisation کے ذریعے جو اضافی اسامیاں ہیں ان اسامیوں کو اردو میڈیم کے ان اسکولوں میں دیے جائیں جہاں اساتذہ کی شدید ضرورت ہے۔ اردو میڈیم میں طلبہ پڑھنے کے لیے تیار ہیں لیکن افسوس کہ آج بھی کئی ہائی اسکول ضلع نظام آباد میں ایسے ہیں جہاں مضمون واری اساتذہ کی شدید قلت پائی جاتی ہے۔ ضلع پریشد ہائی اسکول کوٹگیر میں 25 سال سے سماجی علم کا مستقل ٹیچر نہیں ہے۔ پوتنگل ہائی اسکول میں 10 سال سے سماجی علم کا مستقل ٹیچر نہیں ہے۔ ریاضی اور سائنس جیسے اہم مضامین کے ٹیچرز نہیں ہیں۔ 10 سال سے ضلع پریشد ہائی اسکول ورنی، بودھن، مالکور، پرگت، اوٹ پلی میں فزیکل سائنس کا مستقل ٹیچر نہیں ہے۔ 10 سال سے ضلع پریشد ہائی اسکول ماکلور اور دھرپلی میں ریاضی کا مستقل ٹیچر نہیں ہے۔ انھوں نے دیگر اردو تنظیموں سے اپیل کی کہ وہ بھی اپنے طور پر کوشش کریں اور اردو میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کے تقرر کو یقینی بنانے کے لیے اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کریں۔ انھوں نے چیف منسٹر چندر شیکھر راؤ، ڈپٹی چیف منسٹر محمود علی اور کے کویتا ایم پی سے مطالبہ کیا کہ وہ خصوصی دل چسپی لے کر اساتذہ کے تقرر کو یقینی بنائیں۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

بھرا سنگم کے اردو میڈیم اسکولوں میں کتابوں کی تقسیم

بھرا سنگم، تلنگانہ (12 اگست)۔ بھرا سنگم منڈل کے اردو میڈیم اسکولوں میں حکومت کی جانب سے کتابیں ابھی تک تقسیم نہیں کی گئی تھیں لیکن جیسے ہی روزنامہ 'رہنمائے دکن' میں 5 اگست کو اس تعلق سے ایک نیوز شائع ہوئی تھی، ذمہ داران حرکت میں آگئے۔ حالاں کہ منڈل کے تمام تلگو میڈیم اسکولوں میں کتابیں تقسیم کی جاچکی ہیں۔ مقامی ایم ای او نے آج فون پر نامہ نگار 'رہنمائے دکن' محبوب غوری سے بات کرتے ہوئے کہا کہ منڈل کے تمام اردو میڈیم اسکولوں میں بھی کتابیں فراہم کردی گئی ہیں۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : ادبی نگارشات
مصنف : ڈاکٹر مسرت جہاں
ضخامت : 224 صفحات
قیمت : 250 روپے
ملنے کا پتا : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
کوچہ پنڈت، لال کنواں،
دہلی-110006
تبصرہ نگار : علی احمد فاطمی

'ادبی نگارشات' ڈاکٹر مسرت جہاں کے اٹھارہ مضامین کا مجموعہ ہے، جس کو مصنف نے چار حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلے حصے کے مضامین عصمت چغتائی، سعادت حسن منٹو، پریم چند اور قمر رئیس سے متعلق ہیں۔ ان میں پہلا مضمون عصمت چغتائی کی زبان سے متعلق ہے جو بے حد اہم اور نازک مضمون ہے جس کو مصنفہ نے بڑی محنت سے لکھا ہے۔ عصمت کے افسانوں کی زبان اکثر زیرِ بحث رہتی ہے لیکن یہاں مصنفہ نے عورتوں کی زبان کی نزاکت و لطافت پر عمدہ گفتگو کی ہے۔ اسی طرح منٹو پر لکھا ہوا مضمون بھی عمدہ ہے، اسی طرح پریم چند پر دو مضامین ہیں لیکن دونوں کا تعلق آج کے طبقاتی تناظر میں اہمیت رکھتا ہے۔ دوسرے حصے کے مضامین کا تعلق نصابی زیادہ ہے۔ میر حسن، دیا شنکر نسیم اور انیس۔ میر حسن اور نسیم پر لکھے گئے مضامین محض نصابی نہیں ہیں، دونوں مثنویوں پر عمدہ ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے اور طولانی بحث کی گئی ہے۔

تیسرے حصے کے مضامین کا تعلق غالب، حالی اور ابوالکلام آزاد سے ہے۔ غالب کے خطوط کو 1857 کے سیاق میں دیکھا گیا ہے اور خط سے تاریخ برآمد کی گئی ہے اور یہی غالب کے خطوط کی ادبی اہمیت ہے کہ وہ صرف خط نہیں ہیں تاریخ وتہذیب کا حصہ ہیں۔ مولانا حالی کو نسائی حسیت سے جانچا پرکھا گیا ہے حالاں کہ یہاں پر نسائی کے بجائے تانیثی ہونا چاہیے۔ اس رخ سے حالی کو کم دیکھا گیا ہے اس لیے آج کے تانیثی ڈسکورس میں یہ بحث خاص کارآمد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مکتوب نگاری اور غبارِ خاطر بھی کارآمد مضمون ہے۔ ایک مختصر سا مضمون محققین کی اصطلاحات سے متعلق ہے لیکن اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ تحقیق کے مطالبات اور تقاضے عجیب وغریب ہوتے ہیں، ان پر گفتگو کرنا اب بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اس گفتگو میں چند کارآمد نکات آ گئے ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

آخری حصے کا تعلق دکنیات سے ہے جس پر چھ مضامین ہیں۔ مسرت یوں تو شمال کی ہیں لیکن عرصے سے دکن میں مقیم ہیں، اس لیے انھوں نے دکنی ادب کو قریب سے سمجھا ہے، یہ بڑی بات ہے۔ قطب شاہی دور کی ممتاز خواتین، محی الدین قادری زور، حیدرآباد کی نقاد خواتین اور زینت ساجدہ پر بے حد عمدہ اور معلوماتی مضامین ہیں۔

224 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ ان مضامین کی اہمیت، افادیت اور کتاب کی زینت کو دیکھتے ہوئے مصنف اور ناشر دونوں کو مبارک باد دی جانی چاہیے

***

نام کتاب : انتخاب ادبی مراثی (حصہ اول)
تدوین : مرزا محمد یوسف
ضخامت : 432 صفحات
قیمت : 400 روپے
ملنے کا پتا : عباس بک ایجنسی، درگاہ حضرت عباس، رستم نگر لکھنؤ
تبصرہ نگار : ڈاکٹر سید معصوم رضا عشری
rasalsdak@gmail.com

اردو زبان میں دوسری اصناف سخن کی طرح مرثیہ نگاری کا آغاز دکن سے ہوا لیکن مرثیہ کا محور و مرکز ہندستان میں لکھنؤ کو تسلیم کیا گیا۔ ابتدائی دور میں مرثیہ تعزیتی نظم تک محدود تھی لیکن واقعاتِ کربلا نے مرثیے کو عروج عطا کیا۔ لکھنؤ کے نواب شیعہ اثنا عشری تھے، جہاں کثرت سے مجالس عزا منعقد کی جاتی تھیں، اس لیے یہاں مرثیہ گوئی کو بڑا فروغ ملا۔ مرثیہ خوانی کا بھی رواج بڑھا۔ میر ضمیر، میر خلیق کا نام لکھنؤ میں میر انیس اور مرزا دبیر سے قبل بہت مشہور تھا انھوں نے بنیاد تیار کی اور اس پر حسین عمارت کی تعمیر انیس اور دبیر نے کی، بعد میں یہ سلسلہ مونس اور انیس وغیرہ سے ہوتا ہوا پوری اردو دنیا میں پھیل گیا۔ مرزا محمد یوسف کی کتاب 'انتخاب ادبی مراثی' اسی سلسلے کی ایک بہترین پیش کش ہے جس میں تحقیق و تدوین کی سنجیدگی کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔ یوں تو مرتب نے اس میں شامل مرثیوں کو مختلف مرثیے کے نمونے کے طور پر بھی پیش کیا ہے جس کی تفصیل انتخاب مراثی کے مطالعے سے قاری کو معلوم ہوگی۔ کتاب میں 92 مرثیہ نگاروں کے مراثی کے انتخاب کے ساتھ ساتھ پروفیسر شارب ردولوی کا مضمون مرثیے میں صنعت گری اور مرتب مرزا محمد یوسف کے تاثرات حرف آغاز کے عنوان سے شامل ہیں۔ جن مرثیہ نگاروں کے منتخب مراثی کو شامل کیا گیا ہے ان میں میر تقی میر، سودا، ذوق، مرزا غالب، مصحفی، فصیح، ضمیر، واجد علی شاہ اختر، شاد عظیم آبادی، چھنو لال دلگیر، میر خلیق، میر انیس، مرزا دبیر، میر نفیس، میر عشق، میر تعشق، دلو رام کوثری، آرزو لکھنوی، حیات لکھنوی، روپ کماری، اوج لکھنوی، زہد لکھنوی اور الفت رائے الفت وغیرہ کے علاوہ جوش ملیح آبادی، علامہ جمیل مظہری، جوش ملیح آبادی، نجم آفندی، ہلال نقوی، پیام اعظمی، نسیم امروہوی، قسیم امروہوی، نسیم کربائی، شوکت تھانوی وغیرہ کے علاوہ نئے لکھنے والوں میں ناصر کاظمی، عظیم امروہوی، ناشر نقوی، رضا مہدی، امید فاضلی، سید آل رضا، گپتا رضا، طیب کاظمی، حسن فتحی، وحشی مظفر پوری، عزم جونپوری، عشرت لکھنوی، منظر عباس امروہوی اور ریکھی چار چوی وغیرہ کے مراثی کے انتخاب کے علاوہ بھی کئی ایسے مرثیہ نگاروں کو اس مجموعۂ مراثی میں شامل کیا ہے جن کے کلام تک عام قاری کی رسائی ممکن نہ تھی لیکن انھیں اس مجموعے کی زینت بنا کر انھیں بقائے دوام عطا کر دی۔ کئی ایسے مراثی مثلاً میر عشق کا مرثیہ 'زمطرجن'، ساجد لکھنوی اجتہادی کا مرثیہ 'سجدہ' وغیرہ بلاشبہ عوام کے لیے بیش قیمتی تحفہ ہیں۔

کتاب میں شامل مراثی کے انتخاب کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ جس عرق ریزی سے مرزا محمد یوسف صاحب نے یہ مواد اکٹھا کیے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ کئی ایسے مراثی اس میں شامل ہیں جو ابھی کتابی شکل میں منظر عام پر نہیں آئے بلکہ ادبی رسالوں کی زینت بنے اور گم شدہ اوراق سے ان کو بھی دستاویزی حیثیت عطا کر کے مرزا محمد یوسف صاحب نے ادب کی جو خدمت کی ہے وہ بلاشبہ قابل ستائش ہے۔ امید کہ یہ کتاب ادبی حلقوں میں پسند کی جائے گی اور مرثیہ خوانی کے شائقین کے لیے بھی یہ کتاب ایک نادر اور بیش قیمتی تحفہ ہے جس کی قدر دانی ہماری ادبی ذمہ داری ہے۔

***

نام کتاب : فرازِ سخن
شاعر : نیر قریشی گنگوہی
ضخامت : 184 صفحات
قیمت : 200 روپے
ملنے کا پتا : B-322، گلی 5، منڈاولی فاضل پور، دہلی-91
تبصرہ نگار : ام مارہ حق
ummemarahaque@gmail.com

زیر نظر کتاب 'فرازِ سخن' نیر قریشی گنگوہی صاحب کا شعری مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے ان کے چار شعری مجموعے منظر عام پر آ کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ غزلوں، نظموں، رباعیات، قطعات اور ماہیوں پر مشتمل اس کتاب کا انتساب انھوں نے ظہیر اختر اور نسیم انور امروہی کے نام کیا ہے۔ یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی ہے۔ 184 صفحات پر مشتمل اس کتاب کا پیش لفظ خود نیر قریشی نے تحریر کیا ہے۔ بقول نیر قریشی "اردو ادب کا قاری پرانے احساس وافکار کے سانچے سے باہر نکل کر ایک نئی دنیا کی تلاش میں سرگرداں ہے، جب سیاسی اور سماجی تبدیلی آتی ہے تو بلاشبہ اردو ادب بھی متاثر ہوتا ہے، اس کیفیت کو ادب کی توسیع کہا جاتا ہے"۔

کتاب کا آغاز حسب روایت حمد و نعت پاک سے کیا گیا ہے۔ جذبۂ عبادت سے معمور اس حمد کے اشعار دیکھیے:

بیاں کر کے حرفوں میں اوصاف تیرے
سجاؤں میں جذبات دل کی نمائش
چلوں عشق کے اصولوں پہ ہر دم
ستائے نہ ہرگز کبھی کوئی سازش

حمد و نعت کے بعد مجموعے میں غزلوں کو شامل کیا گیا ہے۔ نیر قریشی کی یہ غزلیں آسمان میں پنکھ پھیلائے خوب صورت وادیوں کی سیر نہیں کراتیں بلکہ دورِ حاضر کی تلخ سچائیوں کو ہمارے سامنے پیش کرتی ہوئی نظر آتی ہیں:

محفوظ نہیں بیٹیاں، بہنیں بھی وطن میں
عورت کی جو پہلے تھی وہ غیرت ہے کہاں اب
لے ڈوبے گی اس نسل کی آزاد خیالی
ہم دیکھیں گے بربادی کی تصویر کہاں تک

اخبار بھی تاجر ہے، خریدار بھی تاجر
ہوتی ہے خبر جو وہی بکتی ہے خبر کیا

غزلوں کے بعد مجموعے میں نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ ان نظموں کے مطالعے سے شاعر کی انسانی دردمندی اور فکر و احساس اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔ ان نظموں میں پیغام حق، حکم خدا، سانحہ ارتحال نے مجھے خاصا متاثر کیا۔

'ہماری زبان' کے خریداروں سے گزارش

ہم ہفت روزہ 'ہماری زبان' کو پوسٹنگ کی مقررہ تاریخوں پر پابندی سے بھیج دیتے ہیں لیکن ہر شمارے کے بعد ہمیں یہ شکایت موصول ہوتی ہے کہ بعض حضرات کو اخبار یا تو وقت پر یا بالکل سرے سے ملتا ہی نہیں۔ کچھ حضرات کو ہر شمارے کے ساتھ اس دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنے مقامی پوسٹ آفس سے ایک دو بار تحریری شکایت کریں اور اگر پھر بھی ان کی شکایت کا ازالہ نہیں ہوتا تو اپنی تحریری شکایت کی نقل جس پر پوسٹ آفس کی رسید کی مہر ثبت ہو، ہمیں ارسال کریں تاکہ ہم ڈپارٹمنٹ آف پوسٹ کے اعلا افسروں کے ساتھ آپ کے مسائل کو اٹھا سکیں۔

'ہماری زبان' کے سرکولیشن اور اس سے متعلق دیگر معلومات کے لیے جناب امیر الحسن رحمانی (سرکولیشن انچارج) سے اُن کے موبائل نمبر: 9560432999 اور ای میل: rahmaniamirulhsan@gmail.com پر رابطہ کریں۔ موبائل پر رابطہ صرف دفتر کے اوقات میں کریں تاکہ رحمانی صاحب آپ کے مسئلے پر فوراً توجہ دے سکیں۔ (ادارہ)

نظموں کے بعد رباعیاں اور کچھ قطعات پیش کیے گئے ہیں، ایک قطعہ پیشِ نظر ہے:

دل کے آنگن میں سجایا ہے جسیں تاج محل
ہم نے کچھ پیار کے رشتوں پہ نچھاور کرکے
اس کو بارود نہ ملی، میرے دکھوں کی دولت
جس نے بھی دیکھا شرافت سے کنارا کرکے

'عشق دار ماہیے' کے عنوان سے مجموعے کے آخر میں ماہیے شامل کیے گئے ہیں:

بھرپور خزینے ہیں
قول بزرگوں کے
انمول نگینے ہیں

امید ہے کہ اردو شعر و ادب میں نیر قریشی صاحب کی اس ادبی نگارش کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

***

بقیہ: انور خاں کے تین یادگار افسانے

مقام کی طرف جاتا ہے تو یہ مقامات خارج میں نہیں خود اُس کے اندر ہوتے ہیں۔'' افسانے کا راوی اُس مستور الحال بوڑھے یہودی کے وسیلے سے عرفان کی منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور اچانک اُس پر سچائی منکشف ہوجاتی ہے۔ اُس کیفیت کو اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

'' یہ صداقت میری نگاہوں کے سامنے کہیں پرندوں کی شکل میں فضا میں مائل پرواز تھی، کہیں مچھلیوں کی صورت میں پانی میں تیر رہی تھی، کہیں بچوں کی طرح کلکاریاں مار رہی تھی، کہیں آواز کی لہروں میں تبدیل ہوکر میری سماعت میں گونج رہی تھی، کائنات کا ذرہ ذرہ مجھ سے محوِ گفتگو تھا۔''

اس طرح افسانے کا راوی تصوف کے راستے زندگی کی اُس حقیقت تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق صوفیوں نے کہا ہے۔
''موجودات و ظواہرات کا عشق بھی دراصل حقیقت کے عرفان کی ایک منزل ہے۔''

تصوف کے علاوہ ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع 'موت' بھی ہے، 'بوٹینیکل پارک، کوچ، روزن، ماتم گسار اور شاندار موت کے لیے، اس کی عمدہ مثالیں ہیں، بالخصوص شاندار موت کے لیے اپنے موضوع اور ٹریٹمنٹ کے اعتبار سے آج بھی اپنے اندر ایک تازگی لیے ہوئے ہے۔ اگرچہ مشہور نقاد وارث علوی نے اسے ہر اعتبار سے ناکام افسانہ قرار دیا ہے اور ممتاز شاعر اور نقاد جناب باقر مہدی نے اپنے ایک مضمون میں کہیں لکھا ہے کہ'' یہ افسانہ پامال ہوچکا ہے۔'' جملہ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ 'موت' کا موضوع کبھی پامال نہیں ہوسکتا، کیوں کہ موت بھی زندگی ہی کی طرح ایک اٹل حقیقت ہے۔ علاوہ ازیں 'شاندار موت کے لیے' کا موضوع صرف موت نہیں ہے بلکہ اُس تصنع آمیز رویے کی عکاسی ہے جو اعلا سوسائٹی کا خاصہ ہے۔'موت' تو محض حوالے کے طور پر استعمال ہوئی ہے، کیوں کہ افسانے میں 'ڈاکنا' کی موت تو واقع ہی نہیں ہوتی۔ البتہ متوقع 'موت' کا ذکر ضرور ہے بعض مکالموں کی تکرار گراں گزرتی ہے مگر بیشتر مکالمے اعلا سوسائٹی کے کھوکھلے اقدار کی پردہ داری کرتے نظر آتے ہیں۔ افسانے میں 'ڈاکنا' مر رہی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کی موت کا جشن شاندار ہو، اس لیے وہ ڈیوڈ اور ولیم کو جنازے کی ساری تفصیلات سمجھاتی ہے کہ جنازے پر کس کو بلانا ہے، کس کو نہیں، کون کون سی رسوم کس طرح ادا کی جائیں، کب کونسے کپڑے پہنے جائیں وغیرہ وغیرہ۔

کہانی کا ہر کردار مصنوعیت کا جامہ پہنے حرکت کرتا نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے یہ لوگ زندگی جی نہیں رہے ہیں بلکہ زندگی جینے کی نقل کررہے ہیں۔ حتیٰ کہ موت کا استقبال بھی وہ لوگ ڈرامائی انداز میں کرتے ہیں۔ ڈیوڈ مصنوعی دانت لگاتا ہے، ولیم وگ پہنتا ہے، ڈاکنا کی ایک آنکھ نقلی ہے۔ البتہ چارلس جو ابھی کمسن ہے اس پورے ڈرامے کو بے تعلق نظروں سے دیکھتا رہتا ہے کیوں کہ ماحول اور سوسائٹی اُس پر ابھی پوری طرح اثر انداز نہیں ہوئی ہے۔

غرض یہ کہ کلائمکس کو پہنچتے پہنچتے قاری کے دل میں اُس ماحول سے گھن سی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس افسانے پر ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا تھا کہ موت اچھے اچھوں کے ہوش اُڑا دیتی ہے پھر ڈاکنا لبِ مرگ اپنے جنازے کی تفصیلات کو اس قدر اطمینان اور سکون کے ساتھ کیوں کر بیان کرسکتی ہے۔ مگر یہ اعتراض بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں مرنے والے نے مرنے سے پہلے اپنے عزیز و اقارب کو بسترِ مرگ کے گرد اکٹھا کرکے باہوش و حواس آخری وصیت کی ہے۔ حضرت معاویہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے اپنی وفات سے چند لمحے قبل اُمرائے سلطنت کو بلا کر یزید کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اعلان کیا تھا۔ محمود غزنوی کے بارے میں بھی ایک روایت مشہور ہے کہ اُسے سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے اس قدر رغبت تھی کہ مرنے سے قبل اُس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ اُسے قیمتی لباس پہنا کر ہیرے جواہرات سے لاد دیا جائے، ویسا ہی کیا گیا۔ اُس کے بعد ہی اُس کی موت آسان ہوئی۔ میری رائے میں 'شاندار موت کے لیے' انور خان کے معروضی طرزِ اظہار کا بہترین نمونہ ہے۔

اس مختصر سے مضمون میں بطور یاد کے انور خان کے صرف تین مشہور افسانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر افسانہ نگار کی طرح اُن کی جھولی میں بھی چند اچھے اور کمزور افسانے موجود ہیں۔ البتہ عصری افسانہ نگار کی حیثیت سے اُنھوں نے ابتدا ہی سے اپنی انفرادیت قائم رکھی۔ اُنھوں نے جو کچھ لکھا پوری دیانت داری، خلوص اور لگن سے لکھا۔ افسوس! موت نے اُنھیں زیادہ مہلت نہیں دی، اگر زندگی ساتھ دیتی تو وہ یقیناً اردو فکشن کو مزید شاہکار افسانے دیتے۔

B-609، نیو آکاری ایچ ایس
بالمقابل حیدری مسجد، نیانگر
میرا روڈ [ایسٹ] تھانے-401107
zahirzahida@gmail.com

□□□

انور خاں کے تین یادگار افسانے

سلام بن رزاق

انور خان عصری افسانے کا اہم نام ہے۔ ان کی زندگی کا سفر ۹ ستمبر 2004 کو ختم ہو گیا اور موت کے فرشتے نے ان کی کتاب زندگی پر تمت بالخیر لکھ دیا۔ ان کی رحلت سے عصری افسانے میں جو خلا پیدا ہوا اسے شاید کبھی پر نہیں کیا جا سکتا۔

انور خان کے تین افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ 'راستے اور کھڑکیاں'، 'فنکاری' اور 'یاد بسیرے'۔ یہاں زیادہ تفصیل میں جانے کی بجائے ان کے صرف تین مشہور افسانوں کا سرسری جائزہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ان کے افسانوں کے بنیادی محرکات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ان کا پہلا مجموعہ 'راستے اور کھڑکیاں' 1975 میں شائع ہوا۔ اس زمانے میں اردو افسانے پر علامت، استعارہ، تمثیل اور جدیدیت کا غلبہ تھا۔ ایک عرصے تک انور خان بھی تجریدی اور علامتی اسلوب کے زیر اثر افسانے لکھتے رہے۔ تاہم ان کے افسانوں میں دور از کار استعاروں اور ناقابل فہم علامتوں سے اجتناب ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کا مشہور افسانہ 'کوؤں سے ڈھکا آسمان' کو لیجیے جس کی اردو کے تمام نقادوں نے تعریف کی ہے۔ وارث علوی نے تو اسے جدید اردو فکشن میں اضافہ قرار دیا تھا۔

افسانے میں علامتیں بھی ہیں اور استعارے بھی مگر یہ علامتیں اور استعارے کہانی کو گنجلک نہیں بناتے بلکہ کہانی میں ایک معنوی تہہ داری پیدا کرتے ہیں۔ دوستوئیفسکی نے کہا تھا "اس دور کا خاصہ یہ ہے کہ اشراف اور ذہین لوگ عذاب آگہی میں مبتلا ہیں اور ذاتی اقتدار سے نادار لوگ زندگی کا عیش لوٹ رہے ہیں۔" آج ہم جس معاشرے میں سانس لے رہے ہیں اس کا صحیح عکس مذکورہ مقولے کی روشنی میں بہت واضح نظر آتا ہے۔ اسی خیال کو تلسی داس نے رام چرت مانس میں بڑی بلاغت سے بیان کیا ہے کہ "کل یگ میں ہنس تنکا چگیں گے اور کوے موتی کھائیں گے۔" کوے دیو مالائی عہد سے مکاری اور چالاکی کا استعارہ رہے ہیں۔ 'کوؤں سے ڈھکا آسمان' کا عنوان خود ہمارے ذہن میں استعاروں کو روشن کر دیتا ہے۔

کہانی میں چند لوگ رات کی تاریکی میں آگ روشن کیے بیٹھے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ کوئی بھی ہوں مگر ان کے سینوں میں یقین کی آگ روشن ہے۔ یہ لوگ اس آگ کو روشن رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہیں۔ حتیٰ کہ آگ کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک ایک کر کے اپنے بدن کے سارے کپڑے آگ میں جھونک دیتے ہیں۔ آگ اور گرمی ان کے لیے زندگی ہے۔ پھر ان کے درمیان ایک اور شخص آ جاتا ہے جسے کہانیاں جمع کرنے کا شوق ہے۔ وہ کہتا ہے شہر کی بجلی فیل ہو گئی ہے۔ یہاں بجلی نہ ہو تو موجودہ نظام ہو سکتا ہے۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ کہانیاں جمع کرنے والے سے کہانی سنانے کی فرمائش کرتے ہیں مگر کہانیاں جمع کرنے والا شخص کہتا ہے "میرے پاس کوئی کہانی نہیں ہے۔ اس لیے کہ شہر کے کسی آدمی کے پاس کوئی کہانی نہیں ہے۔" یہاں غالباً افسانہ نگار کہنا چاہتا ہے کہ کہانی تو اس قوم کی بنتی ہے جو استبداد اور انقلاب کے دور سے گزر رہی ہو۔ بے حس، بے عمل قوم کی کوئی کہانی نہیں ہوتی، اس لیے کہانیاں جمع کرنے والا جو سماجی شعور کی علامت بھی ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ مل کر کہانی بننے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا لوگوں میں سماجی شعور کا چراغ روشن کرتا ہے۔ کلاوی رنگ پتلون، شرمیلی لڑکی، پولس کا مکان، مٹھی بھر چاول، مچھلی کا شوربہ، کافی کا پیالہ اور روٹی کی دو لاوی۔ گویا ہر شخص اپنی دبی کچلی حسرت کو الگ الگ ناموں سے یاد کرتا ہے۔

افسانہ نگار ان تلازموں کے حوالے سے شاید یہ دکھانا چاہتا ہے کہ آزادی اور ترقی کے اس دور میں بھی بیشتر لوگ 'پولس کا مکان'، 'مٹھی بھر چاول' اور 'کافی کا پیالہ' جیسی معمولی چیزوں سے بھی محروم ہیں۔

پھر یوں ہوتا ہے کہ کل کے پچھلے پہر چراغ بجھتے ہیں۔ کوؤں کی کائیں کائیں سے فضا پھٹ جاتی ہے۔ اردگرد کی عمارتوں سے عوام الناس جاگتے ہیں اور حسب معمول اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اس کے بعد کارپوریشن کی گاڑی آتی ہے اور وہاں پڑی چند برہنہ اور اکڑی ہوئی لاشوں کو گاڑی میں ڈالا جاتا ہے اور گاڑی چلی جاتی ہے۔ اس طرح شہر کے بے حس اور بے عمل عوام کو خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان کے شہر میں کچھ سرپھروں نے سرد اور تاریک رات میں یقین کی آگ روشن کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں انھوں نے اپنی جان کا خراج ادا کر دیا۔ کہانی اپنے اختتام کو پہنچتے پہنچتے روشنی کی ایک لکیر سی اپنے پیچھے چھوڑ جاتی ہے جو دیر تک قاری کے ذہن میں کسی جگنو کی طرح جلتی بجھتی رہتی ہے۔ پوری کہانی کو انتہائی چابک دستی سے لکھا گیا۔ انور خان کا یہ افسانہ میرے نزدیک اختصار پسندی کا کارنامہ ہے۔ اپنے تجریدی اسلوب کے سبب یہ افسانہ ہمیں بلراج مینرا کے افسانے "آخری کمپوزیشن" کی یاد دلاتا ہے۔ آخری کمپوزیشن ایک گونج ہے جو قاری کے لہو کی گردش کو تیز کر دیتی ہے۔ کہیں کہیں اس کی گونج قاری کو دہلا بھی دیتی ہے۔ مگر 'کوؤں سے ڈھکا آسمان' کی یاس انگیز فضا اور بعد ازاں اس کا المناک انجام ہمارے لہو کی گردش کو تیز کرنے کی بجائے رگوں میں خون کو منجمد کر دیتا ہے۔ پھر دل و دماغ پر چھائی یاسیت رفتہ رفتہ ایک اضطراب میں بدلنے لگتی ہے۔ "آخری کمپوزیشن" اگر ایک چیخ ہے تو 'کوؤں سے ڈھکا آسمان' ایک سسکاری ہے۔ ایک ایسی سسکاری جو قاری کے احساس و شعور میں کسی پھانس کی طرح گڑ جاتی ہے۔ اس کہانی پر ایک شاندار فلم بھی بن چکی ہے۔

انور خان کا افسانوی سرمایہ اگرچہ کم ہے تاہم ان کے ہاں مختلف موضوعات پر افسانے مل جاتے ہیں۔ تصوف سے انھیں خاص دلچسپی تھی لہٰذا تصوف بھی ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ عرفان، چھاپ تلک، اجنبی مانوس، رہ گزر، فلاوار اور کیپس ان کی عمدہ مثالیں ہیں۔ خاص طور پر عرفان، تصوف کے موضوع پر ان کا ایک بے حد خوب صورت افسانہ ہے۔ یہاں صرف اسی سے متعلق چند نکات پیش کیے جاتے ہیں۔ راوی...... ہسپتال میں ایک پستہ قد، نحیف الجثہ بوڑھے یہودی کو دیکھتا ہے۔ اس کے بچوں جیسے معصوم چہرے اور رشیوں جیسے شانت وجود سے راوی کافی متاثر ہوتا ہے۔ اس دوران مولانا آزاد کی 'غبار خاطر' اس کے مطالعے میں آتی ہے اور "فلسفہ شک کا دروازہ کھول دے گا اور پھر اسے کبھی بند نہیں کر سکے گا۔ سائنس ثبوت دے دے گا مگر عقیدہ نہیں دے سکے گا۔" جیسے جملے پڑھنے کے بعد راوی پر پیچ در پیچ شک کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کی طبیعت میں ایک خلا سا پیدا ہو جاتا ہے۔ تبھی وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ یہودی اس کی مشکل حل کر سکتا ہے۔ راوی یہودی کے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ یہودی بستر مرگ پر ہے وہ مرنے سے پہلے صرف ایک جملہ کہتا ہے۔ "میری زندگی پر غور کرو۔"

کہانی میں بوڑھے یہودی کا یہ جملہ کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ تصوف میں محبوب حقیقی تک پہنچنے کا ایک راستہ یہ بھی ہے کہ انسان خود کو محبوب مجازی کے رنگ میں رنگ لے۔ افسانے کا راوی بھی یہودی کی موت کے بعد یہودی کا سا لباس، اس کی چال ڈھال، اس کے کھانے پینے کا انداز اختیار کر لیتا ہے۔ افسانہ نگار نے یہودی کے پردے میں ان 'مستور الحال' لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے بارے میں حدیث ہے کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو زمین پر گمنام ہیں مگر آسمان میں مشہور ہیں۔"

افسانے میں راوی اور یہودی کی آخری ملاقات کو خواب کی سی کیفیت میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بھی تصوف کی ایک منزل ہے۔ جس کے بارے میں مولانا روم فرماتے ہیں "خواب کی حالت میں جب انسان ایک مقام سے دوسرے

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

مدیر: اطہر فاروقی — Editor: Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں — Joint Editor: Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر: عبدالباری — Printer, Publisher: Abdul Bari
مطبوعہ ثمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
Printed at: Samar Offset Printing Press, Delhi
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
Proprietor: ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue, New Delhi-110002
قیمت (فی شمارہ): تین روپے، سالانہ: ۱۲۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Subscription: (Per Issue): Rs. 3/-, Yearly: 125/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org Phones: 23237212, 23237214